ایمن رضا

تاش کے گھر

چاند بی بی ایک عمر رسیدہ اور سر سے گنجی خاتون ہیں۔ ۴۷ء کے بٹوارے میں چاند کا خاندان ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آتا ہے۔ چاند کے ابو دین بابا، بھائی بستام، تین پھوپھیاں، ان کی چھ بیٹیاں اور گھر کا ملازم لڑکا رحبان..... اس خاندان کو حویلیاں شہر میں ایک ''لکشمی حویلی'' الاٹ ہوتی ہے۔ جس کا نام وہ بدل کر ''دین حویلی'' رکھ لیتے ہیں۔ ایک رات چاند کو حویلی کی دہلیز پر ایک بچی ٹوکری میں پڑی ہوئی ملتی ہے۔ دین بابا کی مخالفت کے باوجود چاند اپنے منگیتر التمش کی اجازت سے اس بچی کو گود لے لیتی ہے اور اس بچی کا نام صندل رکھتی ہے۔

رحبان یہ جانتے ہوئے بھی کہ چاند کی شادی بہت جلد التمش سے ہونے والی ہے دن بدن چاند کی محبت میں گرفتار ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک دن وہ چاند سے اپنی محبت کا اظہار کر دیتا ہے۔ چاند رحبان سے کہتی ہے کہ وہ صرف التمش سے محبت کرتی ہے۔ رحبان کے دل میں التمش کے لیے نفرت بڑھنے لگتی ہے۔

چوتھی قسط

چاند اور التمش کی شادی کی تاریخ رکھی جا چکی تھی اور پوری حویلی میں زور و شور سے شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔

جہیز کا بہت سا سامان تو پہلے سے ہی جمع تھا۔ لیکن بابا کو وہ نجانے کیوں کم لگ رہا تھا۔ پتا نہیں کہاں کہاں سے وہ کیا کیا خریدتے جا رہے تھے۔ ملتان سے نیلی کاشی کے برتن منگوائے تھے۔ پشاور سے فنجانوں کی نجانے کون کون سی قسمیں اکٹھی کی گئی تھیں۔ تام چینی کے برتن گجرات سے منگوائے گئے تھے۔ فرنیچر بابا نے

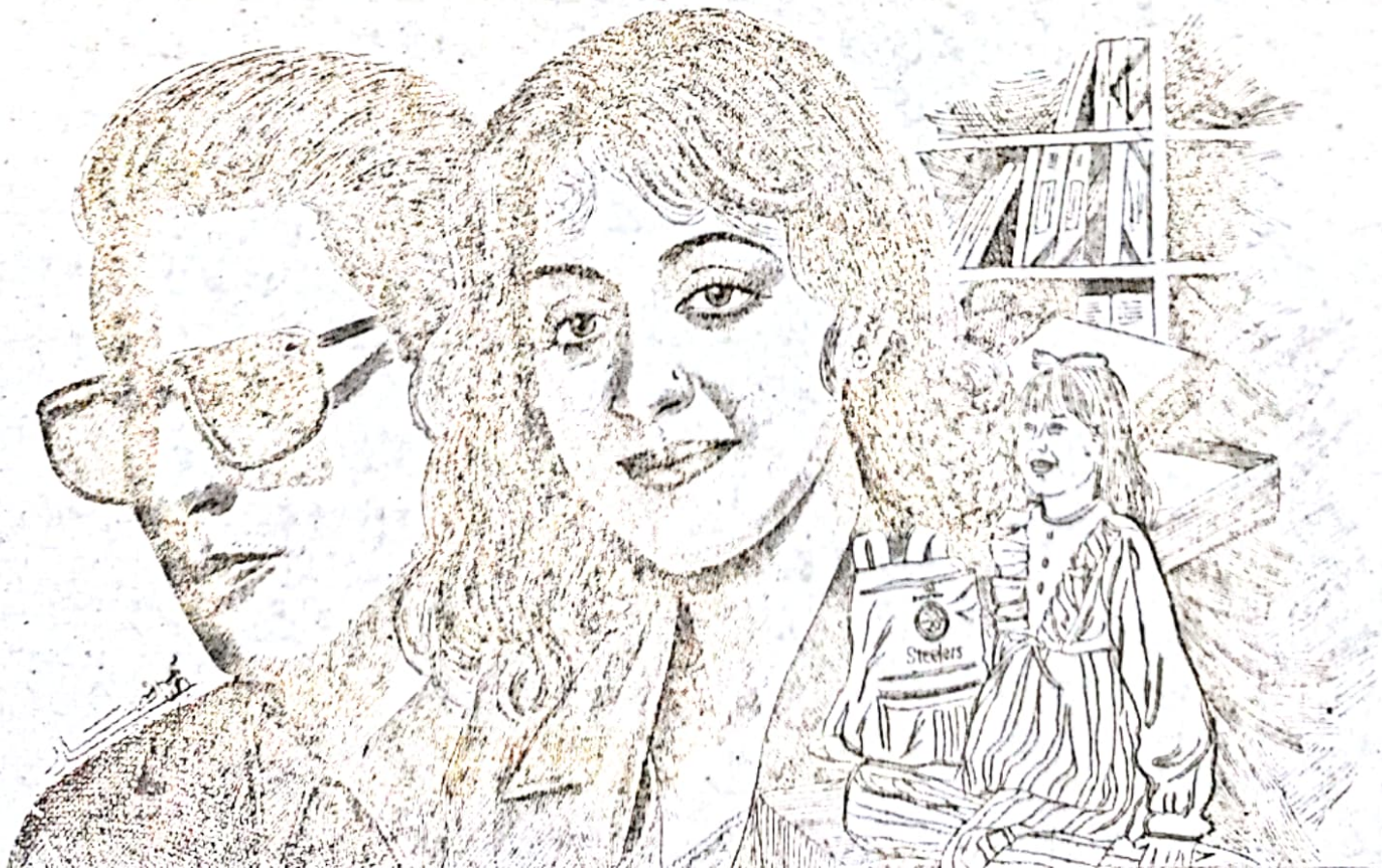

www.zemtime.com

خود چنیوٹ سے جا کر خریدا تھا۔ نواڑی پلنگ لاہور کی مہنگی دُکان سے خریدے گئے تھے۔ کشمیری ملازموں کو بھیج کر اُن کے علاقوں کے بہترین قالین منگوائے گئے تھے۔ اور مینا کاری والا تخت شاہی اور جھولا بابا نے کاریگر بلوا کر حویلی میں اپنے سامنے تیار کروایا تھا۔ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا جو دائیں بائیں سے خریدا گیا تھا اور جو مہنگا ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد خوب صورت بھی تھا۔ جو جو کاریگر یا جاننے والا جس جس علاقے سے تعلق رکھتا تھا بابا وہاں کی خاص چیزیں ضرور منگوا رہے تھے۔ صرف درجن بھر چنگیریں ہی اتنی دور ہزارے سے منگوائی گئی تھیں۔ تانبے کے ٹھکائی والے برتن اور شمع دان اور صراحیاں لاہور کے کسیرے بازار سے لائی گئی تھیں۔ چاند

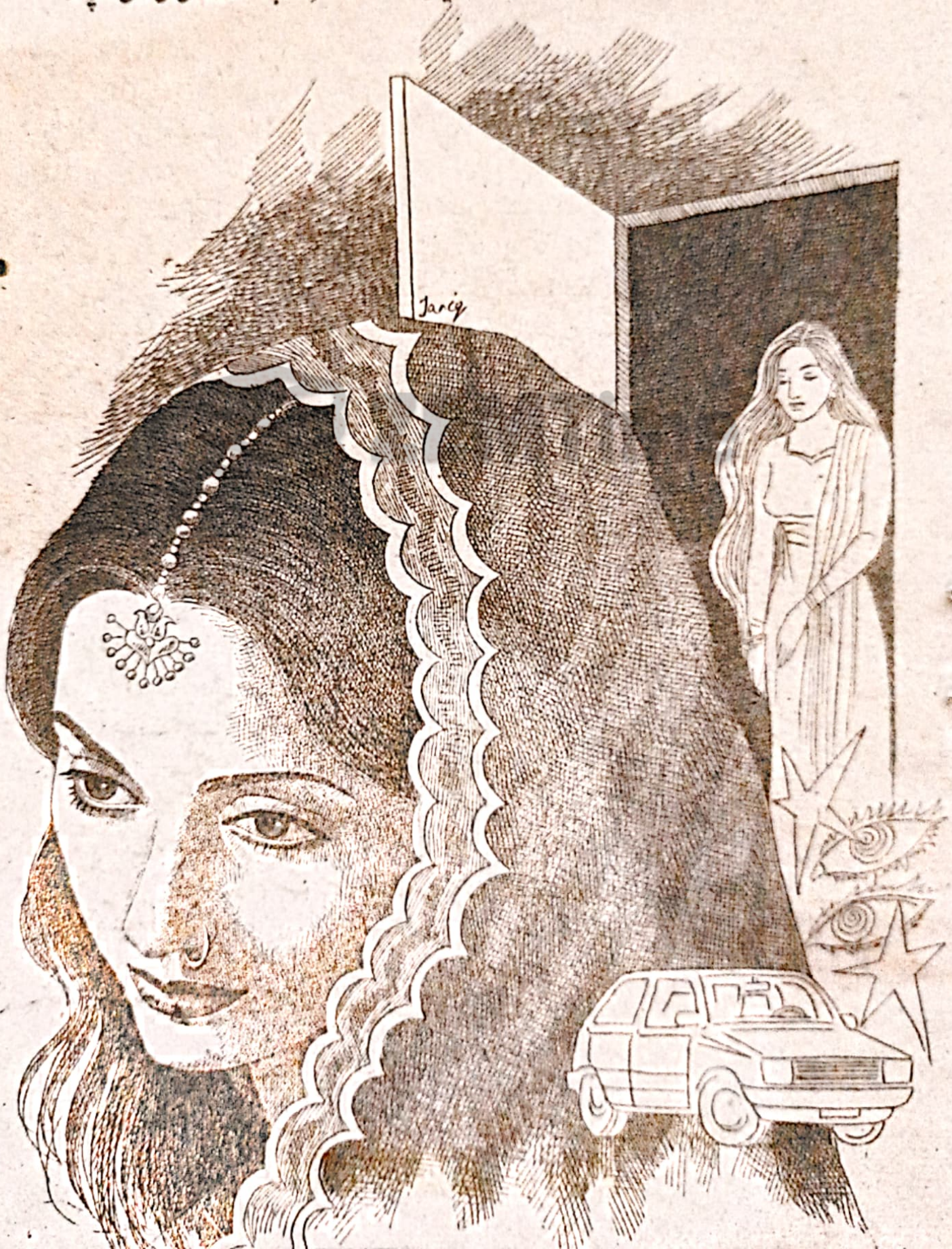

www.zemtime.com

بابا کے اتنے تردد پر شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔
''اتنا کچھ کیوں کر رہے ہیں بابا..... مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔''
''لیکن مجھے تو اچھا لگ رہا ہے ناں میری بچی.....''
''آپ کو لگتا ہے کہ آپ نے جہیز کم دیا تو التمش یا اس کے گھر والے باتیں بنائیں گے۔ وہ ایسے نہیں ہیں۔''
''جانتا ہوں وہ ایسے نہیں ہیں۔ تب ہی تو سب اپنی مرضی سے کر رہا ہوں۔ ورنہ سب التمش کی پسند سے کرتا.....''
''لیکن بابا۔۔۔''
''اکلوتی بیٹی کی خوشیوں کے لیے پہلی اور آخری بار کر رہا ہوں۔ تمہاری ماں زندہ ہوتی تو نجانے کیا کیا کرتی..... اس لیے مجھے جو کرنا آتا ہے کرنے دو.....'' بابا نے اتنے پیار سے کہا تھا کہ وہ مزید کچھ بھی نہیں کہہ سکی تھی۔

پھوپھیوں کی تیاریاں بھی دیکھنے والی تھیں۔ بارات پر پہننے کے لیے انہوں نے بنارس سے کپڑا منگوایا تھا۔ جس پر گھر میں ہی تلے کا کام ہو رہا تھا۔ ولیمے کے لیے انہوں نے ڈھاکہ سے زری کے کام والی ساڑھیاں منگوائی تھیں۔ گھر کے ملازموں کو دینے کے لیے بھی مہنگے جوڑے خریدے گئے تھے۔ اور چاند کو دینے کے لیے کپڑے تو نجانے کہاں کہاں سے اور کس کس اقسام کے منگوائے گئے تھے۔

چاند کی برات کا لباس گھر پر ہی تیار ہو رہا تھا۔ دین بابا خود اپنی زیر نگرانی اس لباس کو تیار کروا رہے تھے۔ سرخ رنگ کے اس لباس کے لیے بابا نے نجانے کہاں کہاں سے سچے نگینے منگوائے تھے۔ اور بے حد احتیاط اور نفاست سے اس پر کام کروا رہے تھے۔ چاند بھی اس دن اسی کمرے میں چلی آئی تھی۔ تب بابا محبت سے اس کے مکمل ہو چکے لباس کو دیکھتے ہوئے آنکھوں میں آئے آنسو اندر جذب کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ چاند ان کے کندھے پر سر گرا کر ان کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی تھی۔ عنقریب حویلی کو چھوڑ جانے کی وجہ سے وہ بھی اُداس ہو رہی تھی۔

''اپنے آنسو چھپانے کی کوشش مت کریں بابا..... میں انہیں دیکھ چکی ہوں۔''
چاند کی بات پر بابا بے اختیار ہی ہنس دیے تھے اور تب ہی ان کے آنسو چھلک آئے تھے۔
''یہ خوشی کے آنسو ہیں میری جان.....''
''آپ سے جھوٹ نہیں بولا جاتا بابا..... اگر آپ روئے تو میں بھی رو دوں گی۔''
''اچھا..... اب نہیں روتا..... تم بتاؤ تمہاری ساری تیاری مکمل ہو چکی ہے۔''
''جی..... پھوپھیوں نے سب کر دیا ہے۔''
''تمہیں الگ سے کچھ لینا ہو تو بتا دینا.....''
''نہیں..... کچھ نہیں لینا۔ سب ہے میرے پاس، بہت سے جوڑے، بہت سے گہنے..... بس۔۔۔'' وہ کچھ کہتے کہتے رکی تھی۔
''کیا.....؟ کچھ چاہیے تو بولو ناں میری جان..... اپنے باپ سے شرما رہی ہو۔''
''نہیں..... کچھ چاہیے تو نہیں..... ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔''
''تو کہو.....''
''آپ رحبان کو روک سکتے ہیں کیا.....؟''
چاند کی بات پر بابا کے چہرے پر ایک دم سے اُداسی پھیلتی چلی گئی تھی۔ انہوں نے ایک گہرا سانس بھرا تھا۔

www.zemtime.com

''تم کیا سوچتی ہو کہ میں نے ایسا کرنے کے بارے میں نہیں سوچا ہوگا۔''

''آپ اس سے بات تو کریں۔ شاید وہ مان جائے۔ ہندوستان واپس جانے کا خیال دل سے نکال دے۔''

''تمہیں اس نے کیا کہا ہے۔؟''

''میری تو وہ کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں ہے۔''

''اور اگر اس نے میری ماننے سے بھی انکار کر دیا تو.....''

''تو پھر اس کی منت کیجیے گا کہ وہ کم از کم میری شادی تک ہی رک جائے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں بات کرتا ہوں۔ تم پریشان مت ہو۔ خوشی سے شادی کی تیاریاں کرو.....''

بابا کی بات پر چاند کو کسی طور تسلی ہوئی تھی۔ پھیکی سی مسکراہٹ سے مسکرا کر وہ وہاں سے اُٹھ گئی تھی۔ بابا اُداسی سے تنے ہوئے لباس کو دیکھنے لگے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ رحبان شاید شادی تک رکنے والی ان کی بات تو مان لے۔ لیکن جب وہ فیصلہ کر ہی چکا تھا تو پھر شادی کے بعد تو وہ ضرور ہی ہندوستان واپس چلا جائے گا۔ اور تب بابا یقیناً بہت اُداس ہو جائیں گے۔ اتنا دُکھ انہیں ہندوستان سے پاکستان آتے وقت نہیں ہوا تھا۔ جتنا رحبان کے واپس جانے پر ہونے والا تھا۔

☆☆☆

کمرا سوچ کی کثافت سے بھرا ہوا تھا اور سگریٹ کے اس دھوئیں سے بھی جو رحبان کے لبوں سے لمبے کش کے بعد جاری ہوتا تھا۔ دھواں دودھ آسا تھا اور سوچ گہری سیاہ..... جس میں کسی اور رنگ کے مل کر بھسم ہو جانے کا خوف موجود تھا۔ دونوں چیزوں نے مل کر دن کی روشنی میں بھی کمرے کو اندھیرے میں گم کر دیا تھا۔ کرسی پر ساکت و جامد بیٹھے رحبان کو کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ کچھ بھی تو نہیں.....

''سوچ اگر التمش نہ ہو تو تیرا کام کتنا آسان ہے۔ چاند تیری ہو سکتی ہے۔'' بستام کا بولا جانے والا فقرہ کمرے میں اندھی چمگادڑ کی طرح چک پھیریاں لے رہا تھا۔ کھڑکی، روشن دان، دروازہ، کوئی بھی تو اس اندھی چمگادڑ کی رہنمائی کرتے ہوئے اسے کمرے سے باہر نہ نکال پا رہا تھا۔ پھر وہ اندھی چمگادڑ تھک کر رحبان کے کندھے پر آ کر بیٹھ گئی۔ اور اپنی غلیظ گوند نکالتے ہوئے وہ اس طرح سے مرتسم ہو گئی کہ اب اسے وجود سے الگ کرنا تقریباً ناممکن ہو گیا تھا۔

دین بابا گلا کھنکارتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے تو ساکت بیٹھے رحبان کو جیسے ہوش آیا۔ جلدی سے اس نے سگریٹ کو مسل کر کسی طرف پھینک دیا تھا۔ دین بابا مسکرائے تھے۔ وہ رحبان کی حرکت دیکھ چکے تھے۔ بستام اور رحبان کا رات میں چھت پر جا کر سگریٹ پینا ان سے پوشیدہ نہیں تھا۔ اس عمر میں ان کے لیے یہ ہی بات کافی تھی کہ دونوں بچے ان کی اتنی عزت تو کرتے ہیں کہ ان کے سامنے سگریٹ پینے کی جرأت نہیں کرتے۔

''سلام بابا.....'' رحبان جلدی سے کھڑا ہوا تھا۔

''وعلیکم اسلام..... بیٹھے رہو..... بیٹھے رہو.....'' انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا اور خود بھی اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔

''کوئی کام تھا تو مجھے طلب کر لیتے بابا.....''

''جو کام تھا اس کے لیے تمہیں طلب کرنا مناسب نہیں تھا۔ بلکہ میرا تمہارے پاس آنا ہی ضروری تھا۔'' دین بابا اتنی بات کہہ کر خاموش ہو گئے تھے۔ رحبان ان کے مزید بولنے کا منتظر رہا تھا۔ بہت سے لمحے اسی خاموشی کی نظر ہوئے تھے۔

www.zemtime.com

''جی کہیے، جو بھی آپ کو کہنا ہے۔''
''کیا تمہارا ارادہ اب بھی وہی ہے۔''
''کس متعلق.....؟'' وہ واقعی ہی نہیں سمجھا تھا یا شاید بن رہا تھا۔
''ہندوستان واپس جانے کے متعلق.....''
بابا کی بات پر رحبان خاموش رہا تھا۔
''اگر تم اپنا ارادہ نہیں بدل سکتے تو کم از کم چاند کی شادی تک۔۔۔۔''
''میں ارادہ بدل چکا ہوں۔'' اس نے جلدی سے کہا تھا۔
''کیا.....؟'' یہ بات اس قدر غیر متوقع تھی کہ دین بابا رحبان کی شکل دیکھتے رہ گئے تھے۔
''جی..... میں اب یہاں ہی رہوں گا۔''
''سچ میں میرے بچے!'' بابا کو تو جیسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ ان کے چہرے پر ایک دم سے اتنی خوشی آ گئی تھی کہ جلتی قندیل بھی ان کے نور کے آگے کم لگنے لگی۔
''جی..... بالکل سچ.....'' اس نے ادب سے کہا تھا۔
''میں یہ بات جا کر ابھی چاند کو بتاتا ہوں۔ وہ بہت خوش ہو گی۔ اسی کے کہنے پر تو میں تم سے بات کرنے آیا ہوں۔'' خوشی سے بابا کے وجود میں ایک دم سے ہی بہت زیادہ توانائی آ گئی تھی۔ جلدی سے وہ اُٹھے تھے اور پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔
رحبان اپنی جگہ پر بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد نیچے حویلی کے صحن سے آواز اوپر اس کے کمرے تک پہنچی تھی۔
''چاند..... او چاند..... کہاں ہو میری بچی.....''
''جی بابا..... کیا بات ہے۔؟''
''رحبان نے ہندوستان واپس جانے کا خیال دل سے نکال دیا ہے۔''
''کیا سچ میں.....؟''
چاند کی خوشی سے چہکتی ہوئی آواز رحبان کے کانوں میں اُتری تھی۔ کرسی سے اُٹھ کر وہ کمرے سے باہر دالان میں آ کر نیچے صحن میں جھانکنے لگا تھا۔
''ہاں..... سچ میں..... اس نے خود کہا۔'' بابا کہہ کر اب یہ خبر باقی سب کو بھی سنانے اندر کو چلے گئے تھے۔
چاند نے بے اختیار ہی اوپر رحبان کے کمرے کی طرف دیکھا تھا۔ رحبان پہلے سے ہی نیچے دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ملی تھی۔ چاند مدھم سا مسکرائی تھی۔ جیسے رحبان کو اس کی بات مان لینے پر شکریہ ادا کر رہی ہو۔
اور رحبان..... وہ محبت سے چاند کو دیکھتا جا رہا تھا اور بس دیکھتا ہی جا رہا تھا۔
محبت میں شکست تسلیم کر کے پیچھے ہٹنے کے بجائے اس نے سر دھڑ کی بازی لگانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

حویلی کے بڑے دروازے کے پار التمش کی جیپ کھڑی تھی۔ وہ خود بھی دروازے کے اسی طرف موجود تھا۔ باقی اندر کی طرف دین بابا، تینوں پھوپھیاں اور چاند کھڑی تھی۔ التمش کو نہ دیکھتے ہوئے لیکن پھر کہیں اور بھی نہ دیکھتے ہوئے۔
''میں اب چلتا ہوں بابا..... اجازت دیں۔'' التمش نے کہتے ہوئے واپس جانے کی تمہید باندھی تھی۔
''یہ کیا بات ہوئی بیٹا..... تم دروازے پر کھڑے ہو اور اندر نہیں آ رہے ہو۔ تھوڑی دیر اندر آ کر تو بیٹھو.....''

www.zemtime.com

''والدہ نے منع کیا تھا کہ اب شادی سے پہلے حویلی نہیں جانا.....'' اس نے بابا کے پاس کھڑی اپنے دوپٹے کے پلو میں انگلیاں مروڑتی چاند کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ ''زیورات کسی ملازم کے ہاتھ نہیں بھجوائے جا سکتے تھے اس لیے مجھے خود آنا پڑا.....'' اس نے مزید وضاحت دی تھی۔

''سارے زیوارات بہت پیارے ہیں التمش..... میری طرف سے اپنی والدہ کو تعریف پہنچا دینا۔'' تہمینہ پھوپھو نے کہا تھا۔

''جی بہتر.....'' وہ ادب سے بولا تھا۔

''اور چاند کی فکر نہ کرنا..... تمہارے نام کے زیور خواہ صدیوں پرانے ہی کیوں نہ ہوتے۔ وہ چاند کو دل و جان سے زیادہ عزیز ہونے تھے۔'' شکیلہ پھوپھو نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔ پہلے سے شرمائی چاند نے اپنا سر اتنا نیچے جھکا لیا تھا کہ اس کی ٹھوڑی اس کے سینے سے لگنے لگی تھی۔ التمش کے گال بھی سرخ ہو چکے تھے۔

حویلی کے اندر سے ایک ملازم خشک میوؤں سے بھری ٹوکری لیے وہاں آیا تھا۔

''اب تم تو اندر آ نہیں رہے، لیکن اسے ساتھ لے جانے سے معذرت مت کرنا.....'' بابا نے پیار سے کہا تھا۔ جواباً التمش مسکرایا تھا۔

بابا نے ملازم کے ہاتھ سے ٹوکری پکڑ کر التمش کے حوالے کی تھی۔ جسے اس نے اپنی جیپ میں ڈرائیونگ نشست کے ساتھ والی نشست پر رکھ دیا تھا۔

''اب چلتا ہوں۔''

''خدا تمہارا نگہبان ہو۔'' بابا نے دعا دی تھی۔

''اب بارات کے ساتھ ہی آؤ گے یا بارات سے پہلے بھی کوئی بہانہ بنا کر آ جاؤ گے۔ جیسے آج آ گئے ہو۔'' زہرہ پھوپھو نے تبصرہ کیا تھا۔ التمش مسکرایا تھا۔ اس کی چوری پکڑی گئی تھی۔

''نہ تنگ کرو بچے کو.....'' بابا نے مسکراتے ہوئے ٹوکا تھا۔

جیپ کو اسٹارٹ کر کے چلانے سے پہلے التمش نے نظریں جھکائے کھڑی چاند کو دیکھا تھا اور تب ہی چاند نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ دونوں کی نظریں ملی تھیں اور دونوں ہی مسکراہٹ کو قابو میں نہیں رکھ سکے تھے۔ پھر التمش نے اپنی جیپ کو آگے بڑھا لیا تھا۔ بابا حویلی کے اندر والے حصے میں چلے گئے تھے اور چاند دور سڑک پر جاتی جیپ کو اوجھل ہو جانے تک دیکھتی رہی تھی۔ دروازہ بند کر کے وہ واپس پلٹی تو تہمینہ پھوپھو اس کی منتظر کھڑی تھیں۔

''یہ زیورات جا کر اپنے کمرے میں سنبھال کر رکھ لو..... دلہن کی چیزیں اسی کے کمرے میں موجود ہونی چاہیں۔'' پھوپھو نے سارے ڈبے اسے تھمائے تھے۔ چاند ڈبے پکڑ کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تھی۔

''اور سنو.....'' پھوپھو کے پکارنے پر وہ واپس پلٹی تھی۔

''آج رات تمہیں اُبٹن اور ہلدی لگانی ہے۔ تیار رہنا.....'' پھوپھو نے کہا تھا اور وہ شرماتے ہوئے کمرے کی سیڑھیاں چڑھ گئی تھی۔

کمرے میں پہنچی تو دیکھا کہ صندل زار زار رو رہی تھی۔ اور بس روتی ہی جا رہی تھی۔

''کیا ہوا ہے صندل کو.....'' اس نے فکرمندی سے صندل کو چپ کروائی حاجی بوا سے پوچھا تھا۔

''پتا نہیں..... آج تو چپ ہی نہیں ہو رہی ہے۔''

زیورات کے ڈبے جلدی سے الماری میں رکھنے کے بعد وہ صندل کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ حاجی بوا سے اس نے صندل کو اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا۔

''کہیں پیٹ میں تو درد نہیں.....''

www.zemtime.com

"نہیں..... میں دیکھ چکی ہوں۔ پیٹ نرم ہے۔"
"پھر کیوں روئے جا رہی ہے۔"
"شاید نظر لگ گئی ہے۔"
"آپ کہیں سے اسپند (ایک قسم کا بیج جو نظر بد کے لیے جلاتے ہیں) منگوائیں اور ابھی نظر اُتاریں..... مجھے فکر ہونے لگی ہے۔ ایسے تو یہ کبھی نہیں روئی....."
"ٹھیک ہے۔ میں ابھی منگواتی ہوں۔"
حاجی بوا کمرے سے باہر چلی گئی تھیں۔ چاند، صندل کو گود میں بھرے تھپک تھپک کر چپ کروانے لگی تھی۔ لیکن صندل تھی کہ بس روئے چلی جا رہی تھی اور اس کے بلند بانگ انداز میں رونے سے نجانے کیوں چاند کا دل بیٹھنے لگا تھا۔ رحبان بھی نجانے کہاں تھا صبح سے..... ورنہ اس کی لوری سن کر صندل اکثر سو جایا کرتی تھی۔

☆☆☆

شام گہری ہونے لگی تھی۔ حویلیاں شہر جیسے علاقوں میں تو شاموں کے گہرے ہونے کا پتا ہی نہیں چلتا۔ یہاں سورج پہاڑ کی اوٹ میں ہوتا ہے اور یہاں دن ہاتھوں سے پھسلتا چلا جاتا ہے۔
چاند کے خیالوں میں کھوئے التمش کی جیپ دھیرے دھیرے سے نشیبی زمین میں آگے کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔ جب اچانک سے اسے احساس ہوا تھا کہ اسے جیپ چلاتے ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے لیکن ابھی تک بڑی سڑک نہیں آئی۔ بستام نے اسے بتایا تھا کہ یہ مختصر راستہ ہے۔ لیکن یہ تو کافی طویل ثابت ہو رہا تھا۔ پھر اب پکے سے ایک دم کچے سے جا ملا تھا۔ عین ممکن تھا کہ آگے یہ کسی پگڈنڈی کی صورت اختیار کر لیتا۔
نظروں ہی نظروں میں دُور تک راستے کو کھوجتے ہوئے التمش نے ایک دم سے بریک پر پاؤں رکھا تھا۔ آگے جانے کے لیے راستہ بند تھا۔ ایک درخت ٹوٹ کر راستے میں گرا ہوا تھا۔ اچھل کر وہ جیپ سے باہر نکلا تھا۔
"اوہ مائی گاڈ....." گرے ہوئے درخت کو دیکھتے ہوئے اس نے غیر ملکی زبان میں کوفت کا اظہار کیا تھا۔ درخت کافی موٹا اور وزنی تھا۔ اکیلے التمش سے ٹس سے مس نہیں ہو سکتا تھا۔ جیپ اس کے اوپر سے گزر نہیں سکتی تھی اور راستہ کچھ ایسا تھا کہ جیپ کو واپس موڑنا بھی محال نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بیزاری بڑھنے لگی تھی۔
شام جلد ہی رات میں بدلنے والی تھی۔ جیپ کو موڑ بھی لیا جاتا تو واپس جاتے ہوئے دوسرے راستے سے جانا سراسر رسک تھا۔ جیپ میں اتنا ایندھن موجود نہیں تھا۔ اور رات وہ دین بابا کی حویلی میں بسر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ والدہ نے تو اسے شادی سے پہلے گھر کے اندر جانے سے بھی منع کر دیا تھا۔ کہاں اب رات حویلی میں گزارنا..... آج بھی وہ زیورات کا بہانہ بنا کر چاند کو دیکھنے حویلی تک آ گیا تھا۔ بہانے سے حویلی میں رات بسر کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔
درخت پر ایک غلط نظر ڈال کر وہ واپس جیپ میں آ کر بیٹھ گیا تھا اور سوچنے لگا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ جب ایک عجیب بات ہوئی تھی۔ نجانے کس طرف سے ایک تیز دھار آلہ انتہائی تیزی سے اور پوری طاقت سے اس کے سینے میں نصب کیا گیا تھا۔ ایک لمحے کا وقت لگا تھا۔ ہتھیار کی تین نوکوں نے اس کا سینہ اس طرح سے چیرا تھا کہ جوان مرد ہوتے ہوئے بھی اس کے حلق سے درد کی ایک بلند آہ فضا کو چیرتی ہوئی چلی گئی تھی۔
پھر اس تین نوکوں والے ہتھیار کو تھامے ہوئے ایک مرد التمش کے سامنے ظاہر ہوا تھا۔ جسے دیکھ کر التمش کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت در آئی تھی۔ کچھ سوچنے سمجھنے کو لمحہ بھی نہیں ملا تھا۔ مرد نے ہتھیار کو کھینچ کر اس کے سینے

www.zemtime.com

سے نکالا تھا اور پھر اپنی پوری طاقت سے دوبارہ سے اس کے سینے میں گھونپ دینے کے لیے اوپر کو کیا تھا۔
اس کا وار کاری ثابت ہونے والا تھا۔ التمش جانتا تھا۔

☆☆☆

وہ ہو کا عالم تھا۔ کابوس کا صحرا..... جہاں سانس لینے کو ہوا موجود نہیں تھی۔ لیکن موت بھی نہیں آتی تھی کہ موت جسم سے نکل کر کس درز سے وہاں سے باہر نکل سکے۔ شاید وہ لامکاں تھا۔ دھرتی کے مکاں سے کوسوں دُور..... جہاں کوئی ماضی، حال اور مستقبل نہیں ہوتا..... لیکن یہاں اتنا اندھیرا کیوں تھا۔ کیا یہ راتوں کی سرزمیں تھی۔ لیکن راتیں بھی اتنی سیاہ کہاں ہوتی ہیں جس قدر وہ عالم خوف ناک تھا۔ یا شاید وہ اندھا عالم تھا۔ جس نے چاند کو بھی اندھا کر رکھا تھا۔

بہت سے لمحے تو اسے سمجھ ہی نہ آسکی کہ وہ کہاں کھڑی ہے۔ کیوں کھڑی ہے۔ کسی صحرا میں ہے یا کسی باغ میں..... ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اتنا اندھیرا کہ اسے اپنا ہاتھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر اس اندھیرے میں ایک چیز چمکنے لگی۔ تین نوکوں والی ایک عجیب وغریب سے وضع کی چیز..... چاند تجسس سے اس چیز کی طرف بڑھی تھی۔ سونے کی طرح چمکتا ہوا وہ تین نوک دار سلاخوں والا کوئی ہتھیار تھا شاید..... جسے وہ کہیں نہ کہیں ضرور دیکھ چکی تھی لیکن کہاں..... وہ اسے یاد نہیں آرہا تھا۔ اس کی روشنی میں ہی چاند نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا تھا، جن پر التمش کے نام کی مہندی لگی ہوئی تھی۔ اپنے مہندی لگے ہاتھ سے اس نے اس چیز کو چھونا چاہا تھا اور تب ہی کسی غیر مرئی قوت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اتنی زور سے تین سلاخوں کی نوک پر رکھ دیا تھا کہ اس کے ہاتھ سے خون نکل آیا تھا۔ چاند نے اپنا ہاتھ پیچھے کرنا چاہا تھا، لیکن وہ قوت اس کا ہاتھ مزید زور سے دباتی چلی گئی تھی۔ درد کی شدت سے لبریز ہو کر اس نے ایک زوردار چیخ ماری تھی۔

"کیا ہوا چاند....."

چاند کی چیخ پر حاجی بوا بدحواسی میں اس کے کمرے میں آئی تھیں۔ نیند سے جاگ کر چاند نا سمجھی سے حاجی بوا کو دیکھنے لگی تھی۔ پاس لیٹی صندل بھی اس کی چیخ سے ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی تھی اور ایک بار پھر سے رونے لگی تھی۔ صندل کو لٹا کر اسے تھپک تھپک کر سلاتے وہ خود بھی اس کے ساتھ لیٹی التمش کو سوچتے ہوئے سو گئی تھی۔

"کیا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا تھا۔" حاجی بوا نے پوچھا تھا اور آگے بڑھ کر روتی ہوئی صندل کو اپنی گود میں بھر کر چپ کروانے لگی تھیں۔ چاند نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی تھی۔ ان پر مہندی نہیں لگی ہوئی تھی اور نہ ہی خون.....

"کچھ بولو بھی چاند....." حاجی بوا پریشان تھیں۔

"فوراً سے کسی ملازم کو بھیجیے التمش کے گھر..... وہ خبر لائے کہ التمش خیر خیریت سے گھر پہنچ گیا ہے یا نہیں....."

"اچھا..... بھیجتی ہوں۔" حاجی بوا نے چاند کی بات کو کچھ زیادہ سنجیدگی سے نہ لیا تھا۔ وہ صندل کو چپ کروانے میں مصروف رہی تھیں۔

"میں نے کہا فوراً....."

حاجی بوا روتی ہوئی صندل کو وہاں ہی چھوڑ کر تیزی سے باہر کو نکلی تھیں۔

☆☆☆

التمش نے بروقت خود کو جھکا لیا تھا۔ ہتھیار پھر سے اس کے سینے میں پوست ہونے کے بجائے نشست کی پشت کے اندر تک چلا گیا تھا۔ لڑکھڑا کر جھکنے سے ساتھ والا دروازہ کھل گیا تھا۔ خشک میووں سے بھری ٹوکری

www.zemtime.com

جیپ کا دروازہ کھلتے ہی نیچے سڑک پر جا گری تھی۔ سب کچھ بکھر کر زمین پر پھیل گیا تھا۔ اور اگلے ہی پل التمش اپنے خون آلود سینے پر ہاتھ رکھے ہوئے ان خشک میووں پر گرا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کا سارا لباس خون سے تر ہونے لگا تھا اور اس کے جسم سے طاقت کم ہوتی جا رہی تھی۔ ایک ہی وار نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ وہ باہر نکل کر گرا تھا اور اب خود کو زمین پر گھسیٹ رہا تھا۔ اس کا متوقع قاتل گھوم کر پھر سے اس کے سر پر آ کھڑا ہوا تھا۔ اور اب خود کو گھسیٹتے ہوئے التمش کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ اب اس سے بچ کر نہیں جا سکتا۔

وہ عالم ہو کے عالم میں بدل چکا تھا۔ حویلیاں شہر کا نیم جنگل نما علاقہ کابوس کا صحرا بن چکا تھا۔ التمش کی سانسیں گھٹنے لگی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ اب جلد ہی اندھیرا چھا جانے والا ہے۔ ابدی اندھیرا..... جس کے بعد نجانے کتنے اندھیرا تھا اور نا معلوم کتنی روشنی.....

رات گہری ہو کر سنسان بھی ہو چکی تھی اور اندھی بھی..... وہاں کوئی تیسرا فرد موجود نہیں تھا جو اس تک پہنچتا۔ درد سے التمش کی جان نکلی جا رہی تھی۔ خون تھا کہ رکنے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ اس نے اپنے اوپر کھڑے ہتھیار تھامے مرد کو دیکھا تھا۔

"کس لیے مارنا چاہتے ہوئے مجھے....." سینے پر ہاتھ رکھے ہوئے اس نے درد میں کراہتے ہوئے پوچھا تھا۔

مرد نے استہزائیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا اور کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ہتھیار کو زور سے اونچا کر کے اس نے پوری طاقت سے ہتھیار کو التمش کے سینے میں گھونپ دیا تھا۔ التمش کے پورے وجود نے ایک جھٹکا کھایا تھا اور ہچکی کی صورت اس نے آخری سانس لی تھی۔

حویلیاں کی گھاس زدہ زمین خود آلود ہو چکی تھی۔ التمش کا گہرا سرخ خون رستا رستا کچی سڑک پر بکھرے ہوئے بادام، اخروٹ اور چلغوزے تک پہنچ کر انہیں اپنی آغوش میں لینے لگا تھا۔

☆☆☆

رات چوروں کی طرح وارد ہوئی تھی اور ڈاکا زنوں کی طرح پوری دھرتی پر چھا گئی تھی۔ فضا خاموش تھی۔ جیسے کسی کی موت پر ماتم کر کے بیٹھی ہو۔ اسی خاموشی میں صحن کے سامنے والے بڑے کمرے کا دروازہ آہستگی سے کھولا گیا تھا۔ لیکن ساری احتیاط کے باوجود بھی پرانے قبضوں نے چوں چراں کرتے ہوئے شور مچایا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی باہر صحن میں جلتی قندیلوں کی روشنی اندر کو لپکی تھی۔ جس نے کمرے کے فرش پر لمبائی کے رُخ ایک سایہ گھیر دیا تھا۔ ایک خاموش مرد کا گناہ کے بوجھ سے جھکا ہوا سایہ۔ مزید روشنی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ کیونکہ یہ خود سے نظریں چرانے کے لمحے تھے۔

سایہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ بالکل سامنے اونچے استھان پر درگا ماں کی مورتی موجود تھی۔ اپنی پوری آن بان شان کے ساتھ شیر کے اوپر براجمان..... گوٹے کناری سے مزین سرخ جوڑا پہنے ہوئے۔ اپنے دس ہاتھوں میں دس مختلف ہتھیار پکڑے ہوئے۔ کنول، تلوار، تیر کمان، عصا، وجرا، کلہاڑا، سانپ، سنکھ، سدرشن اور.....

نہیں..... آج درگا مورتی کے دس ہتھیار مکمل نہ تھے۔ ایک ہاتھ خالی تھا۔ جس میں ترشول ہوا کرتا تھا۔ تین نوک دار سلاخوں والا ترشول..... اس چوری پر درگا مورتی اپنے سامنے کھڑے چور کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی سیاہ آنکھیں آج کچھ زیادہ ہی سیاہ تھی۔ ان میں پاتال کی گہرائی تھی جس میں رحبان بس ڈوبنے کو تھا۔

التمش کو قتل کر دینے کے بعد رحبان نے ترشول پر سے اچھے سے خون صاف کر دیا تھا۔ باقی کے سارے

www.zemtime.com

ثبوت بھی اس نے مٹا دیے تھے۔ اب ساری کارروائی کر چکنے کے بعد اس کے ماتھے پر پسینہ تھا اور پورے جسم سے بدبو اُٹھ رہی تھی۔ بہت ہمت کر کے اس نے درگا مورتی کی سیاہ آنکھوں میں دیکھا تھا۔ اور اسے لگا تھا کہ وہ ان آنکھوں سے بھسم ہو جائے گا۔

ڈرتے ڈرتے رحبان نے پھر سے درگا مورتی کے خالی ہاتھ میں ترشول پکڑا دی تھی۔

درگا مورتی کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں رحبان کو گھورتی جا رہی تھی اور بس گھورتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

وہ تین درخت تین عمر رسیدہ ہیبت ناک جنوں کی طرح کچی سڑک کے کنارے موجود تھے۔ اخروٹ بادام اور چلغوزے کے درخت..... یہ درخت اس قدر چھتنا ور تھے جیسے ان کے اندر بیسوں درخت ضم ہو چکے ہو۔ سال بہ سال کے سفر نے ان کے تنے اردگرد کے باقی درخت کے تنوں سے اتنے موٹے کر دیے تھے جیسے یہ تین درخت جنگل کے جنگل کھا چکے ہوں۔ یہ درخت زیادہ پرانے نہیں تھے۔ ان کی عمریں پچاس سال سے کچھ ہی زیادہ تھیں۔ اس کے باوجود ان کی ہیبت صدیاں دیکھ چکی آنکھوں جیسی تھی۔ تین بوڑھے درخت اپنے اردگرد کے درختوں کا رکھوالا بنے ان میں سب سے اگلی صف پر کھڑے تھے۔

لوگ ان درختوں کے پاس آنے سے ڈرتے تھے۔ ان پر لگنے والے پھولوں کا رنگ سرخ ہوتا تھا۔ ان کے اندر کی گریاں بھی ہلکے سرخی مائل (کسم) رنگ کی ہوتی تھیں۔ اخروٹ، بادام اور چلغوزے کے درختوں کو لے کر شہر میں بہت سے قصے مشہور تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ ان درختوں پر جنوں بھوتوں کا سایا ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ ان درختوں پر اکثر چاندنی رات میں پریاں آتی ہیں۔ کوئی کہتا تھا کہ انار کے رس سے ان درختوں کی آبیاری کی گئی ہے۔ تب ہی ان پر لگنے والے پھول اور پھل سرخ ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت صرف بوڑھی چاند بی بی جانتی تھی۔

ہر سال وہ التمش کی برسی والے دن یہاں آیا کرتی تھی۔ اور ان سرخ پھولوں والے درختوں کے موٹے سیاہ تنے سے لگ کر خوب خوب رویا کرتی تھی۔ ان درختوں کی جڑوں میں اس کے محبوب کا خون شامل تھا۔ وہ جانتی تھی۔

درخت کے تنے کے ساتھ لگ کر کھڑی بوڑھی چاند بی بی آج بھی رو رو کر بے حال ہونے کو تھی۔

☆☆☆

رات کا آسمان سرخ ہو چکا تھا۔ جیسے بہت سی آندھیاں وہاں پڑاؤ کر کے ٹلنے کا ارادہ نہ رکھتی ہوں۔ گھن گرج کے ساتھ زوردار بجلی بھی کڑک رہی تھی لیکن بارش ہونے کا نام نہ لیتی تھی۔

چاند جائے نماز بچھائے خدا کے حضور دعا کر رہی تھی۔ نجانے کیا بات تھی کہ اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ ملازم کو گئے ہوئے بھی کتنی دیر ہو چکی تھی۔ وہ ابھی تک کوئی خبر نہیں لایا تھا۔

گھنٹہ بھر دعا مانگنے کے بعد وہ نیچے آئی تھی۔ جب اس نے رحبان کو درگا مورتی والے کمرے سے باہر نکلتے دیکھا تھا۔

"یہاں کیا کر رہے ہو رحبان....."

دروازہ بند کرتا ہوا رحبان بری طرح سے گھبرایا تھا۔

"میں..... وہ..... کچھ بھی نہیں..... بانسری بجانے کا شوق ہو رہا تھا۔ سوچا شاید یہاں ہو۔ لیکن یہاں تو نہیں ہے۔"

"تم کیا کیا بجانا سیکھو گے رحبان..... ایک سنکھ ہی کافی نہیں ہے کیا اس حویلی کو سوگوار کرنے کے لیے....."

"تمہیں کیا ہوا ہے۔ پریشان دکھ رہی ہو۔"

www.zemtime.com

''تمہیں التمش کی کچھ خبر ہے۔''
''نہیں..... مجھے کیوں اس کی خبر ہوگی۔''
''ہاں..... تمہیں بھلا کیسے اس کی خبر ہوگی۔'' اس نے تاسف سے کہا تھا۔
تہمینہ پھوپھو دونوں کے پاس آئی تھیں۔
''چاند..... تمہیں اُبٹن اور ہلدی لگانی ہے۔ جاؤ کچھ کھلے ڈلے کپڑے پہن آؤ.....''
''جی اچھا.....'' چاند انہیں منع نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اپنی پریشانی گھر کے کسی فرد پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے اس نے چپ چاپ اُن کی بات مان لی تھی۔ کپڑے تبدیل کر کے وہ واپس نیچے آئی تو ملازم لڑکا تب تک بھی واپس نہیں آیا تھا۔ تینوں پھوپھیاں اور حاجی بوا اسے لے کر ایک کمرے میں بند ہو گئی تھیں۔ اور ہنسی مذاق کرتے ہوئے اسے اُبٹن لگانے لگی تھیں۔ تہمینہ پھوپھو نے اس کی آستین اس کے کندھے تک اوپر کر دی تھی اور شلوار گھٹنے تک اوپر چڑھا دی تھی۔ اسے شرم محسوس نہیں ہوئی تھی۔ التمش کے حوالے سے فکر اس پر اس بری طرح حاوی تھی کہ اسے اور کچھ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ سب اس سے ہنسی مذاق کر رہی تھیں اور وہ جواباً پھیکا سا مسکرا رہی تھی۔ اس کے بے قرار دل کی دھڑکنوں کو کسی طور قرار نہیں مل رہا تھا۔
ملازم لڑکا آ چکا تھا جو التمش کی خبر لینے گیا تھا۔
''التمش کا کچھ پتا چلا..... کہاں ہے وہ.....؟'' کمرے کے بند دروازے کے پار سے اسے بابا کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ ملازم لڑکے سے پوچھ رہے تھے۔
''التمش صاحب ابھی تک گھر نہیں پہنچے ہیں۔'' ملازم لڑکے کا جواب بھی چاند کو سنائی دیا تھا۔ ''راستے میں بھی کہیں نظر نہیں آئے۔ میں اسی راستے سے گیا تھا جس راستے سے وہ گھر جاتے ہیں۔ راستے میں کہیں جیپ کے پہیوں کی نشان بھی نہیں ملے۔''
''پھر وہ کس راستے سے جا رہا تھا۔''
''ایک آدمی نے بتایا کہ دوسری طرف والے راستے پر ایک جیپ کھڑی ہے۔''
''تم نے وہاں دیکھا.....؟'' بابا نے کہا تھا اور اندر اُبٹن ملواتی چاند کو ملازم لڑکے کے جواب کی بابا سے بھی زیادہ جلدی تھی۔
''میں ابھی وہی سے ہو کر آ رہا ہوں۔''
''پھر.....؟''
''وہاں جیپ کھڑی ہے۔ لیکن التمش صاحب وہاں بھی نہیں ہیں۔ اور.....''
''اور کیا.....؟''
''اور سارے خشک میوے سڑک پر بکھرے ہوئے ہیں۔''
ملازم لڑکے کی آواز گونجتی ہوئی کمرے میں اُتری تھی اور اُبٹن ملواتی چاند جھٹکے سے کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے پاؤں کے قریب چوکی پر پڑا اُبٹن ہلدی سے بھرا دھاتی پیالہ لڑھک کر شور کرتا ہوا دور تک چلا گیا تھا۔
''ہائے اللہ چاند..... یہ کیا کیا تم نے..... اُبٹن گرا دیا ہے۔ بدشگونی کر دی ہے۔'' شکیلہ پھوپھو تیز آواز میں بولی تھیں۔ چاند ہونق بنی ان کی صورت دیکھنے لگی تھی۔ اس کا سارا رونگ روپ لمحے بھر میں بچھڑ گیا تھا۔ کہیں اندر ہی اندر وہ جان گئی تھی کہ اُبٹن گرنے سے کہیں بڑی بدشگونی ہو چکی ہے۔
کسم کا موسم آ جانے والی بدشگونی.....

☆☆☆

www.zemtime.com

دین بابا، بستام، رحبان اور گھر کے باقی مرد ملازم..... سب التمش کی تلاش میں باہر نکلے تھے۔ اب ان سب کو گئے بھی دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ لیکن ان میں سے نہ تو کوئی واپس آیا تھا اور نہ ہی کوئی التمش کی خبر لایا تھا۔ گھر کی ساری خواتین پریشان حال ایک کمرے میں جمع تھیں۔

چاند کی آنکھیں نجانے کیوں آنسوؤں سے بھر آئی تھی۔ بہت سے وسوسے اسے گھیرنے لگے تھے۔ وہم ستانے لگے تھے۔ پتہ نہیں کس بات کا دھڑکا لگ گیا تھا اسے..... پھوپھو اسے تسلی دلاسا دے رہی تھیں۔ لیکن چاند پر کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اتنی فکر مند ہو چکی تھی کہ اس کے لبوں سے دعا بھی نہیں نکل پا رہی تھی۔

دوسری طرف التمش کے گھر والے بھی پریشان ہو چکے تھے۔ التمش کی جیب تو کچے راستے پر ایک جگہ سے مل گئی تھی۔ لیکن التمش کا کہیں اتا پتا نہیں تھا۔ یہ بات سب ہی کے لیے باعث حیرت تھی کہ التمش کی جیب وہاں درختوں کے جھنڈ میں کر کیا رہی تھی۔ وہ کس راستے سے گھر واپس جا رہا تھا۔؟ جب کہ اس کے گھر کا راستہ تو قدرے آسان تھا۔ پھر اس نے مشکل والا راستہ کیوں منتخب کیا.....؟ کیا اسے ڈاکو پڑ گئے تھے۔ جو اسے گھیر کر جنگل میں لے گئے تھے۔ اگر ایسا تھا بھی تو اب التمش کہاں تھا۔؟

رات گئے دین بابا، بستام، رحبان اور باقی مرد ملازم گھر لوٹے تھے۔ التمش کا کہیں پتا نہیں چل سکا تھا۔ چاند تو اتنی سی دیر میں ہی چھوئی موئی ہو چکی تھی۔ بابا خالی ہاتھ گھر واپس آئے تو وہ بے ہوش ہو گئی۔ سب نے مل کر اسے مشکل سے سنبھالا تھا۔ اور وہ ہوش میں آنے کے بعد بھی جیسے بے ہوش ہی تھی۔

''ایسے نہیں کرتے چاند..... ہمت سے کام لو اور اللہ سے دعا کرو..... سب ٹھیک ہو گا۔'' بابا نے اسے پیار سے گلے لگاتے ہوئے کہا تھا۔

وہ رات ساری حویلی والوں نے جاگ کر اور دعائیں مانگتے ہوئے گزاری تھی۔ لیکن یہ دعائیں قبول نہیں ہونے والی تھیں۔ سب اندر ہی اندر جانتے تھے۔ بابا نے چاند کو نہیں بتایا تھا کہ جس جگہ سے جیب ملی ہے وہاں انہیں بکھرے ہوئے خشک میووں کے ساتھ بہت سا خون بھی ملا ہے۔ جو اس بات کی نشاندہی کے لیے کافی تھا کہ التمش کے ساتھ کچھ برا ہو چکا ہے۔ لیکن یہ بات وہ خود سے کہتے ڈر رہے تھے۔ کہاں چاند سے کہتے۔

☆☆☆

التمش کی لاش تین دن کے بعد ملی تھی۔ درختوں کے جھنڈ تلے..... جہاں سے بنسواڑی علاقہ شروع ہوتا ہے۔

بستام نے یہ خبر بابا کو دی تھی اور اندیشوں میں گھرے بابا دھک سے دل تھام کر رہ گئے تھے۔ اس سے پہلے کے وہ لڑکھڑا کر گرتے بستام نے انہیں سہارا دیا تھا۔

''ہمت سے کام لیں بابا..... آپ نے کمزوری دکھائی تو چاند کو کون سنبھالے گا۔'' اور بستام کی بات پر بابا نے جیسے واقعی ہی میں ہمت پکڑ لی تھی۔ بستام ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اگر وہ اپنی طبیعت بگاڑ لیتے تو پھر ان کی لاڈلی کو کون سنبھالتا۔

بنا چاند کو کچھ بتائے بابا چاند کو التمش کے گھر لے گئے تھے۔ سارے راستے وہ بابا سے پوچھتی رہی تھی کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور بابا یہ ہی کہتے رہے تھے کہ وہ التمش سے ملنے جا رہے ہیں۔

''کیا التمش خیریت سے ہے۔''

''ہاں بیٹی.....''

بابا کی رندھی آواز میں کچھ تھا یا شاید فضا میں کافور کی بو پھیل چکی تھی۔ چاند کی تسلی نہ ہوئی تھی۔ پھر جب وہ التمش کے گھر پہنچی تو سامنے صحن میں چارپائی پر اس کی میت پڑی ہوئی تھی۔ دعاؤں کے قبول نہ ہونے کا سارا غم

www.zemtime.com

چاند کی آنکھوں میں اُتر آیا تھا۔ خدا کو دیے گئے سارے واسطے بیکار گئے تھے۔ وہ جو دل میں ایک آس تھی کہ سب ٹھیک ہے وہ آس ختم ہو چکی تھی۔ التمش زندہ نہیں تھا۔ وہ مر چکا تھا۔ اس کی میت اس کی آنکھوں کے سامنے پڑی تھی۔

پہلے چند لمحے تو وہ بٹر بٹر اس کی میت کو دیکھتی رہی تھی پھر جب سارے شک دور ہو گئے تھے تو دیوانگی کے سے عالم میں وہ اس کے وجود سے لپٹی تھی۔ کسی نے اسے نہیں روکا تھا۔ وہ جو کر رہی تھی لوگ اسے کرنے دے رہے تھے۔ وہ ایسے رو رہی تھی کہ التمش کی ماں اور بہنیں اپنا رونا بھول چکی تھیں۔ ایک دوسرے کو سنبھالتے سنبھالتے وہ اب چاند کو سنبھالنے لگی تھیں۔

چاند نے اپنی چوڑیاں توڑ دی تھیں اور اپنے کانوں اور گلے میں پہنے سارے زیور اُتار پھینکے تھے۔ روتے روتے وہ بس التمش کو دیکھتی جا رہی تھی اور اس سے پوچھ رہی تھی کہ وہ کیوں چلا گیا اسے تنہا چھوڑ کر..... اس کا قصور ہی کیا تھا۔ لیکن التمش کوئی جواب نہیں دے سکتا تھا۔ صرف اللہ دے سکتا تھا۔

وہ تو قتل ہوا تھا اور چاند مر رہی تھی۔

جنازہ اُٹھ جانے کے بعد بابا چاند کو اپنے ساتھ گھر لے آئے تھے۔ وہ بھلا وہاں کیسے رہ سکتی تھی۔ اب اس کا وہاں تھا ہی کیا۔ جس سے سب کچھ تھا وہ ہی اس دنیا سے چلا گیا تھا۔

آنے والے دنوں میں چاند کی حالت مزید سے مزید خراب ہوتی چلی گئی تھی۔ اسے نہ تو خود کی کوئی ہوش تھی اور نہ ہی صندل کی..... وہ ایسے چلتی تھی جیسے کسی جادو کے زیر اثر ہو۔ گھر کے کسی بھی فرد سے اس کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ خاص کر بابا سے..... وہ سب سے چھپ چھپ کر روتے رہتے تھے۔ رحبان بھی چاند کو دیکھتا تھا تو اس کے دل میں ایک چور سر اُٹھاتا تھا۔ چاند کی خوشیوں کا قاتل وہ تھا۔ چاند کو حاصل کرنے کی خاطر اس نے اس پر گرہن لگا دیا تھا۔ لیکن رحبان کی یہ شرمندگی بہت وقتی ہوتی تھی۔ جلد ہی وہ اپنے ذہن کو کوئی دلیل دے لیا کرتا تھا۔

”فکر مت کر چاند..... میں تجھے بہت خوش رکھوں گا۔ اتنا کہ تو سوچ بھی نہیں سکتی..... دیویوں کی طرح تیری پرستش کروں گا۔ التمش کی تو یاد بھی نہیں آنے دوں گا تجھے.....“ چاند کو گم صم بیٹھا دیکھتے ہوئے وہ سوچا کرتا تھا۔

☆☆☆

حویلی پر سوگواریت کی چادر تن گئی تھی جس کے سایے میں سب گھبرائے گھبرائے پھرتے رہتے تھے۔ سب ایک دوسرے سے ایسے نظریں چراتے ہوئے تھے جیسے سب ہی نے ایک دوسرے کا دین دینا ہو۔ شرمندہ ایسے تھے جیسے سب ایک دوسرے کے ساتھ کچھ برا کر چکے ہوں۔ کھانا سب خاموشی سے کھاتے تھے۔ جیسے کچھ بول دیا تو کسی کی شان میں گستاخی ہو جائے گی۔ چاند اپنے کمرے میں بند تھی۔ اسے باہر بلانے کی ہمت کوئی نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ باہر آ بھی جاتی تھی تو اس کا کمرے میں بند رہنا ہی بہتر لگتا تھا۔ اس کی چال اور انداز کچھ بہکے ہوئے لگتے تھے۔ جیسے یا تو وہ پاگل ہو چکی ہو یا ہونے والی ہو۔ حاجی بوا ہی اسے بڑے جتنوں سے کھانا کھلا دیا کرتی تھیں۔

چاند کو دیکھتے ہوئے بابا کی طبیعت بگڑنے لگتی تھی۔ مزید کسی نقصان سے بچنے کے لیے گھر والوں نے چاند کو کمرے میں بند رکھنا ہی بہتر خیال کیا تھا۔ ورنہ عین ممکن تھا کہ انہیں بابا کی جدائی کا غم سہنا پڑ جاتا.....

ایک دن رحبان دروازے پر ہلکے سے دستک دے کر چاند کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ چاند اپنے تخت پر بیٹھی ہوئی تھی اور خالی آنکھوں سے سامنے کی دیوار کو دیکھ رہی تھی۔ جیسے سامنے دیوار پر کچھ منظر چل رہا ہو اور وہ

www.zemtime.com

اسے دیکھ رہی ہو۔

''کیسی ہو چاند.....؟'' رحبان نے پیار سے پوچھا تھا۔ چاند نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ لیکن کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ چاند کے دیکھنے سے رحبان کی جسم نے ایک جھرجھری لی تھی۔ اسے پتا نہیں کیسا عجیب احساس ہوا تھا کہ چاند جانتی ہے کہ التمش کو رحبان نے قتل کیا ہے اور اب وہ اس سے اس کی بابت پوچھنے والی تھی۔ اس کو گریبان سے پکڑ کر جھنجوڑنے والی تھی۔ لیکن رحبان جانتا تھا کہ یہ صرف اس کا وہم ہے۔ التمش کے قتل کا صرف ایک ہی گواہ تھا۔ اور وہ بستام تھا۔

''التمش کی یادوں کا سوگ کب تک مناؤ گی چاند.....'' کہتے ہوئے رحبان تخت پر چاند کے بے حد قریب بیٹھ گیا تھا۔

''جب تک سانسیں ہیں۔'' وہ دُکھ سے چور لہجے میں بولی تھی۔ رحبان کو خوشی ہوئی۔ اس نے کم از کم اس سے بات تو کی تھی۔

''سب گھر والے تمہاری وجہ سے پریشان ہیں چاند.....اور کچھ نہیں تو بابا کا ہی سوچو.....وہ دن بدن نحیف ہو رہے ہیں۔ ان کی کمر جھکتی جا رہی ہے۔''

''میں تو اپنا بھی نہیں سوچ رہی رحبان.....صرف التمش کو سوچ رہی ہوں۔''

''اس کو سوچنے سے، یاد کرنے سے تمہیں کون منع کر رہا ہے چاند.....لیکن اس کی یاد میں تمہارے دیوانہ ہو جانے سے سب ڈرے ہوئے ہیں۔''

''وہ مجھ سے اتنی محبت کرتا تھا۔ کیا میں اس کی یاد میں دیوانہ بھی نہیں ہو سکتی۔'' وہ ایک بار پھر سے رو دینے کے قریب تھی۔

''نہیں..... کیونکہ تمہاری دیوانگی بابا کو جیتے جی مار دے گی۔ وہ پہلے ہی بہت سے غموں سے ٹوٹ چکے ہیں۔ اپنا نہیں تو کم از کم ان کا ہی خیال کرو۔ ایک بوڑھا شخص جس کی شریک حیات بھی اب اس دنیا میں نہیں رہی۔ سوچو وہ اپنے غموں کو کس کے کندھے پر سر رکھ کر ہلکا کرے۔'' رحبان کی بات اس قدر دلکش تھی کہ چاند نے نا چاہتے ہوئے بھی جیسے کچھ حوصلے کا دامن پکڑا تھا۔ اور آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو صاف کیا تھا۔

''غم میں تم ہو اور ٹوٹ وہ رہے ہیں۔''

''میرا کیا قصور ہے رحبان..... میرے ساتھ یہ سب کیوں ہوا۔ التمش نے تو آج تک کسی کا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ پھر اسے کیوں قتل کر دیا گیا۔''

رحبان بھلا اس بات کا کیا جواب دیتا.....

''وہ کیوں چلا گیا۔ اسے نہیں جانا چاہیے تھا۔ اس نے میرے ساتھ اتنے وعدے کیے تھے۔ ساری زندگی ساتھ نبھانے کے عہد دیا تھا۔ صندل کی ایک ساتھ پرورش کرنے کے کہا تھا۔ پھر وہ کیوں چلا گیا۔ اب میں یہ سب اکیلی کیسے کروں گی۔'' چاند سب کہتے ہوئے رونے لگی تھی اور پھر غیر ارادی طور پر ہی رحبان کے کندھے پر اس نے اپنا سر گرا دیا تھا۔

''اس نے سارے وعدے توڑ دیے رحبان.....اس نے سارے وعدے توڑ دیے۔ وہ جھوٹا نکلا..... مجھے اکیلا چھوڑ کر چلا گیا۔'' چاند بولتی جا رہی تھی اور اس صورت حال میں بھی چاند کے وجود کا لمس محسوس کرتے ہوئے رحبان کا تنفس تیز ہونے لگا تھا۔

''تم اکیلی نہیں ہو چاند..... میں تمہارے ساتھ ہوں اور ہمیشہ رہوں گا۔'' رحبان نے دل میں سوچا تھا۔

☆☆☆

www.zemtime.com

غموں نے بابا کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ چند دن بعد اس گھر میں خوشیاں آنے والی تھی۔ ان کی لاڈلی بیٹی اپنے گھر کی ہو جانے والی تھی اور وہی بیٹی بنا بیاہے ہی بیوہ ہو چکی تھی۔ وہ بوڑھے کیسے نہ ہوتے..... کام میں اُن کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ چاند کی حالت ٹھیک نہیں تھی جو سب کی نگرانی کرتی..... کاریگر کام چوری کر رہے تھے۔ انہیں اندازہ ہو چکا تھا کہ جلد ہی اب یہ کام بھی ٹھپ ہو جائے گا۔ پچھلا کام بٹوارے کے باعث بند ہو گیا تھا۔ یہ کام اُجاڑے کی باعث بند ہونے والا تھا۔

لیکن پھر ایک دن رحبان نے بروقت انہیں سہارا دیا تھا۔ اور رحبان سے انہیں بھلا اس نیکی کی توقع ہی کب تھی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا بابا..... ہمت سے کام لیں۔ یہ برا وقت جلد ہی گزر جائے گا۔''

''ساری ہمتیں التمش اپنے ساتھ لے گیا ہے رحبان..... مجھے تو اب اپنی موت بھی قریب نظر آنے لگی ہے۔'' بابا نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا تھا۔

''ایسے تو مت کہیں بابا.....'' رحبان واقعی ہی میں رنجیدہ ہو گیا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہا ہوں رحبان..... میری بیٹی گھر بیٹھے بیٹھے ہی بیوہ ہو چکی ہے۔ ان آنکھوں نے یہ دن بھی دیکھنا تھا۔''

''آپ خود ہی تو کہتے ہیں کہ زندگی موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔''

''ہاں..... لیکن چاند نہیں سمجھ رہی ناں..... تم نے دیکھا نہیں اسے..... کیسی سوکھ چکی ہے وہ..... جیسے شہتوت کی ٹہنی ہو..... رنگ روپ تو سواہ ہو ہی چکا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ وہ ذہنی طور پر بھی اب ٹھیک نہیں ہے۔''

''سب وقتی اثر ہے۔ خدا نے چاہا تو سب جلد ٹھیک ہو جائے گا۔''

''بہت محبت کرتی تھی التمش سے..... اتنی جلدی نہیں بھول سکے گی وہ اس کو.....''

''اگر..... چاند کی کہیں اور شادی ہو جائے تو.....'' رحبان نے ڈرتے ڈرتے کہا تھا۔

''کہاں سے ڈھونڈوں میں اس کے لیے رشتہ..... ایسی روگی لڑکی سے کون شادی کرے گا۔ کون اسے سہارا دینے کو تیار ہوگا۔ کون سی ماں اپنے بیٹے کے لیے ایسی بیمار لڑکی کو پسند کرے گی۔''

''آپ فکر مت کریں بابا..... میں ہوں ناں۔'' رحبان نے بے اختیار ہی کہہ دیا تھا۔ دین بابا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''کیا.....؟ کیا کہا تم نے.....؟'' بابا نے خوش گوار حیرت سے پوچھا تھا۔ رحبان نے نظریں جھکا لی تھیں۔

''کیا سچ میں میرے بچے.....؟'' اب کے وہ خوشی سے پوچھ رہے تھے۔

''جی بابا.....'' رحبان نے سر جھکا لیا تھا۔

''اوہ میرے خدایا۔ خدا نے میری سن لی.....'' بابا خوشی سے چہک رہے تھے۔ ''گھر کی بات گھر میں رہ جائے گی اس سے بڑی بات اور کیا ہوگی۔ میں اپنے مرنے تک چاند کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتا رہوں گا۔''

بابا کے اتنے خوش ہو جانے پر رحبان کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آئی تھی۔

''تم نے..... تم نے مجھے خوش کر دیا ہے رحبان..... تم نے میرا بیٹا ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔''

''آپ کی عاجزی ہے بابا..... ورنہ میں تو کسی قابل نہیں..... ملازم ہوں اس گھر کا.....''

''یہ بات دوبارہ مت کہنا۔ پہلے تم اس گھر کے بیٹے تھے۔ اب تم اس گھر کے داماد ہو۔''

''لیکن چاند.....''

''اسے میری بات پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ وہ میری بات نہیں ٹالتی..... مجھے امید ہے کہ وہ میری بات مان جائے گی۔''

''ٹھیک ہے۔ پھر میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ چاند کو ہر طرح سے خوش رکھوں گا، اور صندل کو بھی اپنا نام دوں گا۔''

www.zemtime.com

''جیتے رہو میرے بچے..... خدا تمہیں صدا خوش رکھے۔'' بابا نے کہا تھا اور پھر اگلے ہی پل رحبان کو اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

بابا کے سینے سے لگے رحبان کی آنکھوں میں خوشی ہی خوشی نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆

دونوں نے اپنی اپنی سگریٹوں کو ہونٹوں میں دبا کر آپس میں ملایا تھا اور پھر دونوں کو ایک ساتھ لائٹر کی لو دکھائی تھی۔ پہلے ننھے ننھے شعلے جلے تھے اور پھر سگریٹ دھواں دینے لگی تھی۔ دونوں نے ایک ایک لمبا کش کھینچ کر دھواں فضا میں چھوڑا تھا۔

''میں نے التمش کو راستے سے ہٹانے کا کہا تھا۔ اور تو نے راستے میں ہی ہٹا دیا.....'' بستام کہتے ہوئے ہنسا تھا۔ جواباً رحبان نے ایک جاندار قہقہہ لگایا تھا۔

''التمش کو راستے سے ہٹانے کا یہ ہی حل تھا کہ اسے راستے میں ہٹا دیا جائے۔'' کہتے ہوئے رحبان نے اپنی گردن پر ہاتھ سے فرضی چھری چلائی تھی۔

''ترشول پر کہیں التمش کا خون تو نہیں لگا ہوا ناں.....؟''

''نہیں..... میں نے اسے اچھے سے صاف کر لیا تھا۔''

''اب آگے کیا کرنا ہے۔؟''

''میں نے بابا سے بات کی ہے۔ وہ بہت خوش ہوئے ہیں۔ لیکن چاند کی رضامندی کے بنا کچھ نہیں ہو سکتا۔''

''فکر مت کر..... چاند مان جائے گی۔''

''اور اگر ایسا نہ ہوا تو.....؟'' رحبان بے چین تھا۔

''پھر میں بات کروں گا چاند سے.....''

''سچ میں.....؟''

''ہاں..... تو جگر ہے اپنا..... اپنے دوست کے لیے اتنا تو کر ہی سکتا ہوں ناں..... میں نے آج تک چاند سے کوئی فرمائش نہیں کی..... اُمید ہے میری پہلی فرمائش پر وہ مجھے مایوس نہیں کرے گی۔''

بستام نے ٹھوس لہجے میں پر اُمید انداز میں کہا تھا۔ اور رحبان کی ساری فکریں دُور ہو گئی تھیں۔ اور معلوم تھا کہ بابا سے یہ کام نہ ہو سکا تو بستام یہ کام کر لے گا۔

چھجے کی دیوار پر دونوں ہاتھ رکھے بستام اپنی حویلی اور حویلی کے پیچھے والے سیب کے باغ کو دیکھنے لگا تھا۔ اب یہ سب اس کا تھا۔ کوئی حصے دار نہیں تھا۔

بستام کے برعکس رحبان کی خیالات پر چاند چھائی ہوئی تھی۔

دونوں ہی نہیں جانتے تھے کہ ان دونوں کی گفتگو کوئی تیسرا بھی سن چکا ہے۔ التمش کے قتل اور قاتل کو جان کر اس بوڑھی جان سے اب اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پانا مشکل ہو رہا ہے۔

☆☆☆

''یہ خیال آپ کے دل میں کیسے آیا بابا.....'' چاند نے بابا سے پوچھا تھا۔ اس کا لہجہ نرم تھا۔ ساری زندگی التمش کے نام کی بیوہ رہنے کا ارادہ اس کا تھا۔ بابا کا نہیں..... انہیں اس کی شادی کی فکر ہونا فطری امر تھا۔ چاند کو اس بات پر بھی حیرت نہیں ہوئی تھی کہ بابا نے اس کے لیے رحبان کا نام لیا تھا۔ وہ بس جاننا چاہتی تھی یہ خیال کس کے ذہن کا تھا۔

بابا جو یہ بات کرنے سے پہلے ہی چاند کے ردعمل سے ڈرے ہوئے تھے چاند کے سوال پر مزید گھبرا گئے۔

''سچ بتاؤں تو یہ خیال میرا نہیں ہے۔ رحبان نے مجھ سے ایسا کہا تھا۔''

www.zemtime.com

''رحبان.....'' وہ زیرلب اس کا نام بول کر رہ گئی تھی۔ وہ تو کب سے چاند کا طلب گار تھا۔ پھر اب کیا بعید تھی اس سے کہ وہ میدان خالی دیکھ کر زمین کی رجسٹری اپنے نام کرنے کی بات نہ کرتا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم دُکھی ہو چاند..... التمش کی بے وقت موت نے تمہیں دُکھ سے توڑ کر رکھ دیا ہے۔ لیکن اب تم ساری زندگی اس کی موت کے غم میں نہیں گزار سکتیں..... تمہیں کوئی فیصلہ لینا ہوگا۔''

بابا کی تمہید پر وہ خاموشی رہی تھی۔

''میں نے رحبان سے ''ہاں'' کہہ دی ہے۔ لیکن میں تمہاری مرضی جاننا چاہتا ہوں۔ تم چاہو تو انکار کر سکتی ہوں۔ تمہیں اختیار ہے۔ میں تمہارے لیے کوئی اور لڑکا دیکھ لوں گا۔ لیکن..... رحبان گھر کا بچہ ہے۔ تم میری آنکھوں کے آگے رہو گی اس سے بڑی خوش نصیبی میری کیا ہوگی بھلا.....'' بابا دُکھی انداز میں بولتے جا رہے تھے۔

''مجھے رحبان میں کوئی برائی نظر نہیں آتی..... سچ بتاؤں تو رحبان مجھے بستام سے زیادہ پسند ہے۔ اور حقیقت میں بھی وہ بستام سے کسی حد تک بہتر ہے۔ التمش جیسا داماد تو نہیں مل سکتا لیکن رحبان بھی بہت سوں سے بہتر ہے۔'' چاند کو آمادہ کرنے کی خاطر بابا رحبان کی اچھائیاں بیان کرنے لگے تھے۔

''دیکھو کتنا ادب کرتا ہے میرا..... جیسے میں اس کا سگا باپ ہوں۔ مانا کہ میرے اس پر بہت سے احسان ہیں۔ لیکن آج کل کسی کے احسان کو مانتا ہی کون ہے۔ اور اب تو رحبان جوان ہو چکا ہے۔ اپنا کما رہا ہے۔ لیکن جو جیب خرچ دیتا ہوں اسی میں گزارہ کرتا ہے۔ کبھی اپنے کام کا حساب کتاب مجھ سے نہیں مانگا۔''

ایسا نہیں تھا کہ بابا یہ سب چاند کو راضی کرنے کے لیے کہہ رہے تھے۔ وہ واقعی ہی میں رحبان کو پسند کرتے تھے۔ اور رحبان کی چاند سے شادی کرنے والی بات نے انہیں اتنا خوش کر دیا تھا کہ وہ یہ بھی بھول چکے تھے کہ رحبان اور بستام دونوں نے مل کر درگا مورتی کے زیور چرائے تھے۔ دونوں عجیب محفلوں میں جانے لگے تھے اور سگریٹ پینے لگے تھے۔ ان ساری باتوں کو انہوں نے دونوں کے بچپنے اور جوانی کی غلطیوں کا نام دے دیا تھا۔

چاند جانتی تھی کہ بابا کی ان تمہیدوں کا کیا مقصد ہے۔ اس نے نظریں اُٹھا کر اس بوڑھے شخص کو دیکھا تھا۔ جس پر دن بدن بڑھاپا طاری ہوتا چلا جا رہا تھا۔ جس نے اس عمر میں آ کر اتنے بڑے غم دیکھے تھے کہ اگر وہ کسی پتھر پر اُترتے تو پتھر ٹوٹ کر بکھر جاتا۔ جس نے اپنی بیوی کو اپنے سامنے مرتے دیکھا تھا۔ اپنے بہن بھائیوں کو قتل ہوتے دیکھا تھا اور جس نے اب اپنی بیٹی کو بنا شادی کے بیوہ ہوتے بھی دیکھ لیا تھا۔ کیا وہ اس بوڑھے کو اس عمر میں کوئی ایک خوشی نہیں دے سکتی تھی۔

''تم اچھے سے سوچ لو..... مجھے کوئی جلدی نہیں ہے جواب کی..... تسلی سے سوچ لو..... پھر مجھے بتانا۔''

بابا کہہ کر کمرے سے باہر جانے لگے تھے جب اس نے پیچھے سے انہیں پکارا تھا۔

''مجھے یہ رشتہ منظور ہے بابا.....''

دین بابا پلٹے تھے۔ خوشی سے ان کے جسم میں توانائی بھر گئی تھی۔

''سچ میں میری جان.....''

''جی..... جو آپ چاہیں۔''

''جیتی رہو میری بچی.....'' بابا نے چاند کو اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔ بابا کے سینے سے لگے اس نے اپنے آنسو ان کی قمیص میں جذب کیے تھے۔ رحبان اسے چاہتا تھا۔ وہ التمش کو چاہتی تھی۔ اسے التمش نہیں مل سکا تھا۔ بہتر تھا کہ اب کوئی ایک تو خوش رہتا..... رحبان کے حصے میں تو چاندنی آ جاتی..... یہ ہی سوچ کر اس نے اتنا بڑا فیصلہ لے لیا تھا۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ انشاء اللہ)

www.zemtime.com